غالبؔ کا طیفِ تمنا

شہر بانو ظفر، پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
ڈاکٹر سعید احمد، صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

ABSTRACT:

Ghalib's Poetry is deep and insightfull, we can appreciate his vision by noticing how he skillfully uses psychological concepts and phenomena in his poetry. Ghalib’s spectrum of aspiration is a fusion of such desires and longings as reflect of human’s glory. These psychological stimuli inseparably connected with urge aspiration and pleasure as influence human heart and mind direct. Unconscious plays very important role in shaping our deepest desires and wishes. According to Sigmund Frued it is the most essential part of mind. Our desires and imaginations are closely connected leading to a constant flow of strong desires with in our mind. The aspirations, urges and longings aroused from the imagination of a visionary poet like Ghalib can not be considered common and general. This article aims to highlight the wide ranging desires that have emerged from Ghalib’s "Taif-e-Tammna".

غالبؔ اُردو شاعری میں جدتِ فکر کا امام بھی ہے اور انسانی فطرت کا نباض بھی۔

غالبؔ شعور اور لاشعور کا شاعر ہے وہ بلند افکار و تصورات کا حامل زیرک شاعر ہے۔ اس کا ذہن ایسا رسا اور طبیعت ایسی رواں ہے کہ کائنات کی وسعتوں سے لے کر انتہائی ادنٰی محرکات بھی اس کے زیر مشاہدہ نظر آتے ہیں جنہیں وہ اپنے منفرد اندازِ بیاں سے احاطۂ قلم میں لانے کا ہنر جانتا ہے۔

غالبؔ کی شاعری میں تہ در تہ معانی موجود ہیں۔ افکارِ غالبؔ کی معنی پروری کا سفر قاری کو خوبصورت احساس میں جکڑ لیتا ہے۔ جوں جوں معنی کے سفر میں غالبؔ کے افکار و تصورات کی گرہیں کھلتی ہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی اَن سنی آواز کوئی دل کش لے، کوئی بے نام لذت غالبؔ کے پُر معنی تخیل کی طرف لے جا رہی ہو اور تجسس کا یہ عالم ہے کہ یہ سفر ہزاروں جہات رکھتا ہے۔ اس کا کوئی اختتام کوئی کنارہ نہیں۔ غالبؔ نے خود اس معنوی سفر کے متعلق کہا:

گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالبؔ میرے اشعار میں آوے[۱]

غالبؔ زندگی آمیز اور زندگی آموز شاعر ہے۔ وہ جس فکر و خیال کا اظہار کرتا ہے اسے منفرد، معنی خیز اور زورآور بنانے میں یدِ طولیٰ رکھتا ہے۔

غالبؔ کے ہاں نفسیاتی عوامل و مظاہر جس منفرد انداز سے سامنے آتے ہیں ان سے غالبؔ کے گہرے شعور کا ادراک ہوتا ہے۔ غالبؔ کا ذہنی ارتقا اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے کلام میں موجود گہرائی اور گیرائی کو ملحوظ رکھا جائے۔

شعر شاعر کے جذبہ واحساس کا بیان اور فکر وخیال کا ترجمان ہوتا ہے اور غالبؔ اختراع پسند شاعر ہے وہ جس لفظ یا خیال کی طرف توجہ کرتا ہے اسے امر کر دیتا ہے چاہے وہ فلسفے کا نکتہ ہو، سائنسی فکر ہو یا نفسیاتی عمل، معاشرتی حقائق پر بات ہو یا داخلی وخارجی واردات ہو ہر جذبہ، ہر کیفیت گہرے مشاہدے کی آئینہ دار ہے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی رقم طراز ہیں:

> ”شاعری، شاعر کے ذاتی احساسات اور انفرادی تجربات کا آئینہ دار ہے لیکن شاعر کی عظمت اس میں ہے کہ وہ اپنے ذاتی احساسات اور تجربات میں عمومیت کا کچھ ایسا رنگ بھرتا ہے کہ وہ ایک عام انسان کے احساسات اور تجربات کا روپ اختیار کر لیتے ہیں۔“[۲]

غالبؔ نے ذاتی احساسات اور تجربات کو انسانی احساسات وجذبات سے منسلک رکھا یہی وجہ ہے کہ غالبؔ ہر دور کا معتبر اور اہم حوالہ رہا ہے۔

غالبؔ اپنے اسلوب میں متنوع موضوعات، جدتِ ادا، ندرتِ خیال، حکیمانہ و فلسفیانہ انداز، نکتہ آفرینی، استفہامیہ لب ولہجہ، رشک و حسد، نشاط وآزردگی، محبت و رفاقت، علامتی انداز، حسرت پرستی و لذت آفرینی سموئے ہوئے ہے۔

کلامِ غالبؔ جہاں دیگر خصوصیات کی بدولت اُردو ادب میں اہم مقام و مرتبے کا حامل ہے۔ وہیں "تمنا" جیسے بنیادی جذبے کے صدرنگ سے مزین بھی ہے۔ ان کے کلام میں خواہش، آرزو، حسرت اور تمنا کے احساسات وجذبات

کی جلوہ گری دیدنی ہے۔

خواہش اور تمنا انسان کے بنیادی فطری جذبات اور نفسیاتی محرکات میں اہم حیثیت رکھتی ہے۔ خواہش، تمنا لذت سے مشروط ایک ایسا احساس یا جذبہ ہے جو براہِ راست انسان کے دل و دماغ کو متاثر کرتا ہے۔ خواہشات کے نفسیاتی پہلوؤں کے مطابق ہر انسان کا دماغ ایک منفرد اور مکمل جہان ہے اور ہر انسان کی خواہشات بھی مختلف ہوتی ہیں۔ خواہشات انسانی دماغ میں محرکات کے طور پر پیدا ہوتی ہیں۔

"The starting part of all achievements is desire." (Napoleon Hill)

خواہش ایک معما ہے یعنی ''زندگی میں کوئی خواہش نہیں ہونی چاہیے'' اس جملے پر غور کیا جائے تو یہ بذاتِ خود ایک خواہش ہے۔

خواہشات انسانی زندگی میں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ خواہشات دماغ میں محرکات کے طور پر پیدا ہوتی ہیں۔ فرائیڈ نے دماغ کے تین حصے دریافت کیے شعور (Conscious)، تحت الشعور (Un Conscious) اور لاشعور (Sub Conscious)۔ خواہشات کے ضمن میں لاشعور بہت اہمیت کا حامل ہے۔ فرائیڈ نے لاشعور کو سب سے اہم حصہ قرار دیا جہاں بے شمار عوامل وقوع پذیر ہوتے ہیں لیکن ہمارا شعور (Conscious) ان میں بہت کم عوامل سامنے لانے میں کامیاب ہو پاتا ہے۔ فرائیڈ نے شعور سے خیالات لاشعور میں لانے کے لیے خاص نفسیاتی طریقہ کار تحلیل نفسی (Psycho Analysis) کا استعمال کیا۔ دورانِ علاج اس نے دریافت کیا کہ لاشعور میں دبی ناآسودہ خواہشات موجود ہوتی ہیں اور یہ خواہشات مختلف قسم کی علامتوں کا لبادہ اوڑھ کر خوابوں کے پیرائے میں ظاہر ہوتی ہیں۔

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا[۳]

''نفسیات کی رو سے انسان حالتِ خواب میں اپنی ناتمام حسرتوں کی تکمیل کرتا ہے جو کچھ اسے حالتِ بیداری میں حاصل نہیں ہوتا وہ خیال کی صورت میں تحت الشعور میں محفوظ رہتا ہے۔ عالم خواب میں شعور پس منظر چلا جاتا ہے اور تحت الشعور کار فرما بن بیٹھتا ہے۔ انسان جو خیالی پلاؤ پکاتا رہتا ہے وہی عالم خواب میں حقیقت کا روپ دھار

لیتے ہیں۔ اور اس طرح گویا انسان اپنی تشنہ تکمیل خواہشات پوری کر لیتا ہے یہی
حقیقت غالبؔ کے اس شعر میں بیان کی گئی ہے۔''(۴)

خواہشات ذہنی حالتوں کا اظہار سمجھی جاتی ہیں اور یہ ہر صورت میں انسان سے اپنی تکمیل کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں۔ خواہشوں کا تعلق تخیل سے ہے اور یہ مسلسل اُٹھتی ہیں۔ چونکہ یہ جذبات اور کیفیات کی صورت میں ہوتی ہیں اس لیے دماغی سطح پر سمندروں اور دریاؤں کی لہروں کی مانند بہتی رہتی ہیں۔ یعنی خواہشات یا تمنائیں فطری جذبات اور نفسیاتی محرکات ہیں جو ذہن میں خود بخود وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری ''تمنا کا دوسرا قدم اور غالبؔ'' میں رقم طراز ہیں:

''ان کا طرزِ فکر جیسا لفظ ''تمنا'' سے اُجاگر ہوتا ہے کسی دوسرے لفظ سے نہیں
ہوتا۔''(۵)

غالبؔ کے اندر سے پھوٹنے والی خواہشات اور تمنائیں فہم وادراک کے وہ درجات ہیں جن سے عظمتِ انسانی جھلکتی ہے اور ان وسیع تصورات کو غالبؔ نے نہایت موزوں انداز سے خواہشات اور تمناؤں کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

غالبؔ جیسا بلند خیال اور رفعتِ تخیل کا مالک جس کے لیے دنیا ایک بازیچۂ اطفال اور اس کی گہما گہمی اک تماشا ہو، جو اورنگ سلیماں کو کھیل اور اعجازِ مسیحا کو اک بات سمجھتا ہو جس کے لیے ہستی زیادہ اہمیت نہ رکھتی ہو جو صورتِ عالم کو کچھ بھی نہ ماننے پر تیار ہو ایسے شاعر کے تخیل سے پھوٹنے والی خواہشات، تمنائیں، آرزوئیں اور حسرتیں یقیناً سطحی اور عمومی نہیں ہو سکتیں۔ غالبؔ نے ان جذبات و کیفیات کو معنی خیز اور منفرد انداز میں بیان کیا۔

''غالبؔ کے ہاں تمنا کا وہ تصور نہیں جو اس لفظ کے ذریعے عام طور سے ادا کیا جاتا رہا ہے
غالبؔ نے اسے اتنا گمبھیر بنا دیا ہے کہ اب یہ لفظ اپنے معنی و مفہوم کی طرف لے
جانے کی بجائے خیال واحساس میں کچھ لہریں بناتا ہے یہ ایک سیال تصور ہے جو بے شمار
شکلیں اختیار کرتا رہتا ہے۔''(۶)

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا!
افسونِ انتظار تمنا کہیں جسے(۷)

غالبؔ کی اختراع پسندی اسے دیگر تخلیق کاروں پر غالبؔ رکھتی ہے۔

غالبؔ نے تمنا کو خوبصورتی، جدت اور نکھار سے پیش کیا ہے۔ قابل غور نکتہ یہ ہے کہ یہاں استفہامیہ لہجہ سوال نہیں بلکہ تعجب کی فضا پیدا کر رہا ہے کہ عشق کے جذبے کا احساس ہوتے ہی شدید خواہشات کیسے بیدار ہو جاتی ہیں اور انسان کس طرح انتظار کے سحر میں قید ہو جاتا ہے۔ خواہش یعنی تمنا کا انتظار کے ساتھ جس انداز سے ربط پیدا کیا گیا ہے اس نے تمنا کو صرف خواہش یا چاہت نہیں رہنے دیا بلکہ نشاط کا رنگ دے دیا ہے، غالبؔ کے رسا تخیل کا سادہ مضمون کو رنگا رنگی میں بدل دینا ہی اس شعر میں خواہش کے جذبے کو اوج پر پہنچا دیتا ہے اور افسونِ انتظار کو شدید خواہش کا محرک قرار دیتا ہے۔ آرزو، تمنا یا خواہش پوری ہونے تک انتظار میں الجھے رہنا ایسی کیفیت ہے جس میں انسان بے بس ہو جاتا ہے لیکن محبت میں یہ شدتِ انتظار شدید خواہش سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اسی غزل کے ایک اور شعر میں حسرت کو مضمون آفرینی کی معراج پر پہنچا دیا ہے:

ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں
شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے (۸)

یہاں دیدار کی خواہش شدید صورت اختیار کر لیتی ہے یعنی آنکھوں سے مسلسل بہتے ہوئے آنسوؤں کے پیچھے محبوب کے دیدار کی خواہش ہے۔

غلام رسول مہر اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ”محبوب کے دیدار کی حسرت دل میں موجود ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں ایسا معلوم ہے کہ ان آنکھوں میں شوق کا ایک بگ ٹٹ اور بے قابو طوفان اُمنڈ آیا ہے۔“(۹)

حسرتِ دیدار کو منفرد اور انوکھے انداز سے غالبؔ یوں بھی سامنے لاتے ہیں:

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے (۱۰)

غالبؔ کا اندازِ بیاں اور طرزِ تخاطب ملاحظہ ہو کہ کس انوکھے انداز سے مدعا پہنچا رہا ہے کہ حسرتِ دیدار کی شدت کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اس لیے خواہش اور تمنا کے اظہار کے لیے سرنامے پر آنکھیں بنا دی ہیں تاکہ حسرتِ دیدار کی شدت بیاں ہو سکے۔

محبوب کے دیدار کی حسرت اور آرزو عشاق کی اوّلین خواہشات میں شمار ہوتی ہے۔ محبوب کے دیدار کی ایک جھلک کے لیے عاشق کوچہ جاناں پر پڑے رہتے ہیں۔ غالبؔ نے اس آرزو کا اظہار یوں کیا ہے کہ مرنے کا غم دیکھنے کی آرزو سے کم ہے اور دیدار کی آرزو کو زندگی پر ترجیح دی ہے:

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے! ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے[11]

معشوق کے دیدار کی حسرت، محبوب کے وصل کی خواہش یا محبوب کی نظر کرم کی آرزو اُردو شاعری کے پسندیدہ موضوعات ہیں اور غالبؔ نے کمال خوبصورتی سے ان احساسات کو برتا ہے لیکن غالبؔ کی طبیعت اختراع پسند تھی اس لیے ان کے تخیل نے خواہشات کو مختلف زاویوں سے پیش کیا ہے کہیں غالبؔ حسرتِ دیدار میں مسلسل آنسوؤں کا ذکر کرتا ہے کہیں حسرتِ دیدار کی خواہش ظاہر کرنے کے لیے سرنامے پر محبوب کو آنکھیں بنا کر بھیجتا ہے تو کہیں یہ رنگ بالکل بدل کر اس انداز سے بیان کرتا ہے:

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں ولے ان کی تمنا نہیں کرتے[12]

محبوب سے ملنے کی خواہش ایک فطری جذبہ ہے لیکن غالبؔ رشک کے باعث محبوب سے نہ ملنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے یعنی وصل کی شدید چاہت اور خواہش کے باوجود محبوب کی تمنا نہ کرنا اپنی نوعیت کی انوکھی خواہش ہے۔

لیکن غالبؔ محبوب سے وصال کی شدید خواہش پورا ہونے کے احساس سے مر جانے کی کیفیت بھی بیان کرتا ہے:

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شبِ ہجراں کی تمنا مرے آگے[13]

خواہش بمعنی ہوس بھی غالبؔ کے کلام میں استعمال ہوا ہے:

گر نہیں نکہتِ گل کو تیرے کوچے کی ہوس
کیوں ہے گردِ رہ جولانِ صبا ہو جانا(۱۴)

غالب کا اندازِ تکلم دیکھیے کتنے منفرد انداز سے ہوس کو بمعنی خواہش بیان کیا ہے۔ یہاں خواہش یا تمنا انسانی جذبے تک محدود نہیں رہی بلکہ اسے فطری حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ خوشبو کے پھیلنے کو غالب نے محبوب کے دروازے تک جانے کی خواہش قرار دیا ہے۔ یعنی خوشبو صبا کے راستے کی گرد بن جاتی ہے۔ اصل میں اس خوشبو کو محبوب کے کوچے میں جانے کی شدید خواہش ہے اس خواہش کے پیش نظر خوشبو گردِ راہ بن کر جانا بھی قبول کرتی ہے۔ ہوس کے مفہوم کو آفاقیت اور بلاغت بخشی گئی ہے اور اسے شدید شوق اور رغبت کے طور پر سامنے لایا گیا ہے۔

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا!
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا(۱۵)

یہاں غالب ہوس یعنی شدید خواہش کو زندگی کا مقصد قرار دے رہا ہے۔ اگر زندگی میں مختلف اہداف حاصل کرنے کی لگن یا خواہش نہ ہو تو زندگی بے معنی ہے اور یہ لگن، چاہت اور ہوس ہمارے فانی ہونے سے مشروط ہے اگر مرنا نہ ہو زندگی ہمیشہ کے لیے ہو تو کوئی بھی کسی مقصد یا خواہش کی تکمیل کے لیے کوشش ہی نہ کرے لہٰذا غالب نے ہوس کو دنیا کی گھما گھمی اور کشش کا مرکز و محور قرار دیا ہے اور یہ ساری جاذبیت موت کی مرہونِ منت ہے۔

عاشق ہمیشہ محبوب کے ناروا سلوک، اذیتوں اور مظالم کا شکار رہا ہے لیکن عشق کے اس سفر میں ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں ''درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا'' جیسی کیفیات سے واسطہ پڑتا ہے۔ محبوب جب دیکھتا ہے کہ عاشق اس کے ظلم و ستم سے لذت حاصل کرنے لگا ہے تو وہ ستم سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے:

وا حسرتا! کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر(۱۶)

غلام رسول مہر اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''انتہائی حسرت اور افسوس کا مقام ہے کہ جب محبوب نے دیکھا کہ ہم اس کے ظلم و ستم اور ایذا سے لذت اُٹھا رہے ہیں اور اس لذت کے ہم دل دادہ ہیں تو اس نے ظلم سے ہاتھ اُٹھا لیا۔''(۱۷)

ظلم و ستم سے ہاتھ کھینچنے کے ردِ عمل پر حسرت کا پیدا ہونا خوبصورت معاملہ بندی ہے۔ اسی مضمون کو غالبؔ منفرد اور انوکھے انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

عشرتِ پارہ دل زخمِ تمنا کھانا
لذتِ ریشِ جگر غرقِ نمکداں ہونا(۱۸)

غالبؔ نے خواہش، تمنا، حسرت، آرزو کو رنگین ملبوس عطا کیے ہیں۔ غالبؔ کی حسرت پرستی کی ان کے کلام پر گہری چھاپ ہے۔ تمناؤں کا تسلسل اور آرزوؤں کے صد رنگ کلام میں جا بجا ملتے ہیں:

لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بصد رنگِ گلستاں ہونا(۱۹)

شعر کے مفہوم سے صرفِ نظر محض تمنا اور خواہش کو دیکھا جائے تو خاک میں مل جانے کے بعد بھی آرزو موجود ہے ختم نہیں ہوئی۔ تمنا کا خاک میں بھی ساتھ جانا خواہش کو امر کر دینے کے مترادف ہے جو صرف مرزا کا ہی خاصا ہے۔ اب داغِ حسرتِ ہستی ملاحظہ ہو کہ کس طرح جینے کی حسرت کا زخم مسلسل خواہش کی صورت میں موجود ہے:

جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے
ہوں شمع کشتہ در خورِ محفل نہیں
رہا(۲۰)

غالبؔ تہِ خاک بھی خواہشوں، تمناؤں اور حسرتوں کی تکمیل نہ ہونے کی وجہ سے رنجیدہ ہے:

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں

چراغِ کشتہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا[21]

زندگی کے تمام سفر میں سینکڑوں خواہشات ایسی ہوتی ہیں جو ہمیشہ تشنہ رہ جاتی ہیں۔ غالبؔ اس حوالے سے خامہ فرسائی کرتے ہیں:

سر پر مرے وبالِ ہزار آرزو رہا
یارب میں کس غریب کا بختِ رمیدہ ہوں[22]

خواہشات، تمنائیں، آرزوئیں زندگی میں رنگینی کے لیے بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ خواہشات کی تکمیل اور تشنگی میں ہی زندگی کے رنگ جھلکتے ہیں:

"ہماری بنیادی خواہشات ہمارے دماغ میں اکثر و بیشتر نامعلوم رہتی ہیں اور ہم کو یہ خبر تک نہیں ہوتی کہ ہم کس بنیادی خواہش کی تکمیل کے درپے ہیں صرف اس قدر ہم جانتے ہیں کہ ہم کو ایک خاص شے سے دلچسپی ہے اور اگر کسی شے میں دلچسپی نہیں ہے تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی سے ایک گونہ مطمئن نہیں یا ناخوش ہیں۔۔۔ جس وقت تک ہماری زبردست بنیادی خواہش کی تکمیل نہ ہو اس وقت تک ہمیں چین اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔"[23]

غالب نے خواہشات کے سینکڑوں رنگ اپنی شاعری کے کینوس پر بکھیرے ہیں لہٰذا غالبؔ کا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے[24]

بہت نکلے مرے ارمان کا اقرار لیکن پھر بھی کم نکلے کی حسرت نمایاں ہے۔ خواہشات اور تمنائیں فطری عمل ہے۔ اس شعر میں غالبؔ خواہشات کے منفرد رنگ بیان کر رہا ہے۔ ہزاروں خواہشات کے بدلے انسان ہمیشہ بے قرار و بے چین رہتا ہے۔ کچھ خواہشات کی تشفی ممکن ہو پاتی ہے جبکہ کئی خواہشیں ہمیشہ محروم رہتی ہیں۔ ہزاروں خواہشیں کہہ کر غالبؔ نے خواہشات کو لامحدود کر دیا ہے۔

مختصر یہ کہ کلامِ غالبؔ ایک ایسا منشور ہے جس میں خواہشات کی ست رنگی طیف قلب و نظر کو مسرور و محسور کرتی ہے۔

غالبؔ کا طیفِ تمنا جس میں ''ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے''، ''محبوب کے دیدار کی خواہش کے اظہار کے لیے سرنامے پر آنکھیں بنا دینا کہ'' تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے''، ''مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی''، ''ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا''، ''تشنۂ سرشارِ تمنا''، ''وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے''، ''جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے'' سے لے کر ''بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے'' تک کے سفر میں سینکڑوں خواہشات سے واسطہ پڑتا ہے۔

حوالہ جات

1. غالب، دیوانِ غالب، (نسخہ عرشی)، مرتبہ: امتیاز علی خاں عرشی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء، ص ۳۰۸
2. عبادت بریلوی، ڈاکٹر، غالب اور مطالعہ غالب، دلی: سکسینہ پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۷۰ء، ص ۲۲۲
3. دیوانِ غالب، نسخہ عرشی ص ۱۶۱
4. حامد سعید اختر، بریگیڈیئر (ر)، صد شعرِ غالب، لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۲۰۰۹ء، ص ۲۹
5. فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، تمنا کا دوسرا قدم اور غالب، کراچی: حلقہ نیاز و نگار، ۱۹۹۵ء، ص
6. صدیق الرحمٰن قدوائی، ڈاکٹر، ''تمنا کہیں جسے''، مشمولہ: جہاتِ غالب، مرتبہ: ڈاکٹر عقیل احمد، لاہور: شاہد پبلی کیشنز، س ن، ص ۵۸
7. غالب، دیوانِ غالب، (نسخہ عرشی) ص ۸۲
8. ایضاً، ص ۲۸۲
9. مہر غلام رسول، نوائے سروش، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۱۳۷
10. غالب، دیوانِ غالب، (نسخہ عرشی) ص ۲۷۱
11. ایضاً، ص ۲۷۳
12. ایضاً، ص ۳۰۹
13. ایضاً، ص ۳۳۳
14. ایضاً، ص ۱۸۲
15. ایضاً، ص ۱۸۳
16. ایضاً، ص ۲۰۳
17. مہر غلام رسول، نوائے سروش، ص ۲۱۳
18. غالب، دیوانِ غالب، (نسخہ عرشی)، ص ۱۷۳
19. ایضاً، ص ۱۷۳
20. ایضاً، ص ۱۷۷
21. ایضاً، ص ۱۸۳
22. ایضاً، ص ٦٦

23. ای اے مینڈر، ہماری نفسیات، شید احمد صاحب (مترجم)، دہلی: انجمن ترقی اُردو ہند، ۱۹۳۹ء، ص ۵۔۷
24. غالب، دیوانِ غالب، (نسخہ عرشی)، ص ۳۳۲